مولانا سعید الرحمٰن علوی

مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک اہم خط

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۹۵۸ء) فی الحقیقت "آیت من آیات اللہ" تھے۔ علم و فضل کے اعتبار سے اپنے ہم عصر حضرات میں یکتائے روزگار، اور اپنے دور کے اکابر کے محبوبِ نظر بھی، امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فاضل شاگرد مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے لئے یہ شعر پڑھا تھا کہ ؎

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی   کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

اور یہ اس وقت کی بات ہے جب بعض خادمانِ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ کی مصالح کے لئے بعض سرکاری عمائدین کو مدرسہ میں بلا رہے تھے تو مولانا آزاد بھی اس تقریب کے ایک طرح کے مہمان تھے لیکن سرکاری عمائدین چونکہ انکی موجودگی پسند نہ کرتے، اس لئے انہیں مہمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا، اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ شیخ الہند بلکہ مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کے بقول "شیخ العالم" نے بھی تقریب میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور نوجوان ابوالکلام دیوبند میں ان کے مکان پر اُن کے مہمان قرار پائے۔

شیخ الہند سے جب اس "خورد نوازی" کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے درج بالا شعر پڑھا اور کسی شکل بھی اُن کے بغیر تقریب میں شرکت منظور نہ کی۔

مولانا ایک ایسے گھرانے کے فرد تھے جو روایتی پیر قسم کا گھرانا تھا۔ اُن کے والد مرحوم کی اپنی روایات تھیں اور اپنی سوچ، وہ اپنے زمانہ میں اپنے معیار اسلام پر بس دو چار حضرات کو ہی پاتے اور اس سے زائد انہیں کچھ نظر نہ آتا۔ ویسے بعض قومی و اجتماعی معاملات میں انکی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ خاص کر "نہرِ زبیدہ" کی مرمت اُن کا عظیم کارنامہ ہے جس سے حرم کے مہمانوں کو بڑی سہولت میسر آئی۔

ابوالکلام کو والدِ مرحوم اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے اور اپنی روایات کا وارث بنانا چاہتے لیکن وہ اپنی دنیا آپ بسانے والا شخص تھا۔ ایسے غیر معمولی قسم کے افراد روز تو پیدا نہیں ہوتے۔ دورِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے

بعد حضرت الامام ابو حنیفہ قدس سرہٗ العزیز سے لے کر ابوالکلام آزاد تک تاریخ کے مختلف ادوار میں چند ہی غیر معمولی نوعیت کے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے گہرے نقوش چھوڑے اور جو صدیوں بعد بھی زندہ جاوید ہیں۔

مولانا نے آبائی ورثہ کو نظر انداز کر کے جہاں نئے شب و روز پیدا کئے۔ نئی دنیا بسائی۔ نئی روایات کو جنم دیا۔ وہاں بعض اُن روایات کو بھی زندہ کیا جو اہلِ زمانہ کی غفلت و بے حسی کی نظر ہو چکی تھیں گویا وہ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر امیر المومنین سید احمد شہید اور امام محمد اسماعیل شہید قدس اللہ سرھما العزیز کی روایاتِ دار و رسن کو زندہ کرنے والے ثابت ہوئے ایسے ہی لوگ ھیں جن کی زندگی کی ترجمانی اس شعر میں کی گئی کہ ؎

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں | کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

یا پھر فیض صاحب نے ایسے حضرات کی زندگی کا نقشہ اپنے ایک شعر میں کھینچا کہ ؎

مقام فیض راہ میں کوئی جچا ہی نہیں | جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

اسلافِ گرامی کی عظیم الشان روایات کو زندہ کرنے والے ابوالکلام نے بعض خاندانی روایات کو ترک کر کے اپنی دنیا آپ بسائی تو "ذوق سلیم" سے عاری ہمارے بعض دوستوں نے انہیں "روایتی مقلد" ثابت کرنے کی ٹھان لی جو کمال درجہ کی بد ذوقی ہے۔ خیر، یہ ہمارا موضوع نہیں، ہم عرض کر رہے تھے مولانا کی غیر معمولی شخصیت اور ان کے کردار و عمل سے متعلق واقعہ یہ ہے کہ وہ،

ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

کے مصداق اپنی شخصیت و عظمت کے خود ہی گواہ ھیں اور ایسے ہی لوگ زمانہ کا رُخ تبدیل کرتے ہیں انہوں نے "ملّتِ خُفتہ کو بیدار کرنے کے لئے جو کچھ کیا اس کے لئے اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم اور مجاہدِ حُریت مولانا محمود حسن کا یہ قول کافی ہے کہ

"ہم سب بھولے ہوئے تھے، ابوالکلام نے ہمیں بیدار کیا اور بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔"

شیخ الہند معمولی آدمی نہ تھے، ان کی بارگاہ میں گاندھی سے محمد علی جناح تک حکیم اجمل خان سے ڈاکٹر انصاری تک، مولانا حسرت موہانی سے مولانا محمد علی جوہر تک، مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے مولانا معین الدین اجمیری تک سبھی عمائدین دست بستہ حاضر ہوتے اور ان سے رہنمائی چاہتے۔

وہی تھے جن کی گرفتاری پر "انجمن اعانت نظربندانِ اسلام" معرضِ وجود میں آئی جس میں جناب محمد علی جناح سمیت ہندوستان بھر کے مشاہیر اور وکلاء شامل تھے۔

اور وہی تھے جنہیں پوری ہندوستانی قوم نے بلاتفریق "شیخ الہند" کے خطاب سے نوازا۔ نوازا کیا اس لفظ کی آبرو بڑھ گئی اور بقول استاذنا المکرم مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمہ اللہ تعالیٰ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ الہامی تھا جو ایک پاکباز وجود کے لئے ہی وضع ہوا۔" مولانا ابوالکلام کا سفرِ حیات ایسا نہیں کہ اس پر چند لفظوں میں تبصرہ ہو سکے۔ وہ ایک ادارہ اور انجمن تھے۔ اسوۂ خلیل علیہ السلام پر عمل پیرا یہ شخص بھی "کان امۃ" کا مصداق تھا جو اپنے وقت کے ہر فرعون و نمرود کے سامنے ڈٹ گیا۔

افسوس یہ ہے کہ اس نظریاتی مملکت کے وارثوں نے سیاسی اختلاف کے حوالہ سے حد درجہ بدذوقی کا مظاہرہ کیا اور اپنی سیاسی سوچ سے ہٹ کر اختلاف رکھنے والے ہر شخص کو گردن زدنی قرار دیا، چاہے وہ مولانا ہوں یا شیخ الاسلام مدنی یا امیر شریعت بخاری۔ حالانکہ یہ اور ان کے قافلہ کے افراد ایسے تھے جن کے نچڑے دامن سے فرشتے وضو کرنا سعادت خیال کرتے۔ "پاکبازانِ اُمت" کا قافلہ ایسا تھا کہ جن کا ہر فرد دورِ رسالت میں ہوتا تو صحابہ کرام کی پاکیزہ اور ایثار پیشہ جماعت میں ہوتا لیکن ایک "مردِ دانا" کے بقول "قدرت نے ہر دور کے لوگوں کو صحابہ کرام کی زندگیوں سے عملاً آگاہ کرنے کے لئے جو لوگ اٹھا رکھے تھے، یہ حضرات ان میں سے تھے۔"

یہاں کی کوڑھ مغز سیاسی قیادت ہو یا آبرو باختہ صحافت۔ اس کا وطیرہ بن چکا ہے کہ وہ ان بلا نوشانِ محبت کے منہ آنا اپنی عظمت خیال کرتا ہے، حالانکہ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ دن کے وقت سورج کی روشنی کسی کو نظر نہ آئے تو وہ شپرہ چشم کہلائے گا اور کچھ نہیں۔ ان حضرات نے اجتماعی مسائل کے حوالہ سے اختلاف کیا تو غایت درجہ شرافت، سنجیدگی، وقار، متانت اور دلائل کے ساتھ۔ اُن کے سامنے محض مسلمانوں کا مفاد تھا، ہندوستانیوں کا مفاد تھا وہ اپنے بے پناہ علم کے مطابق وطن پرستی اور اسلامیت کو دشمن خیال نہیں کرتے تھے۔ تاہم جب انہوں نے دیکھا کہ ملت نے ان کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا تو انہوں نے اس کا برا نہیں منایا بلکہ ملت کی عظمت کے لئے پھر بھی کوشاں رہے۔

استحکام و دفاعِ پاکستان کے لئے قافلہ احرار کی خدمات کا کوئی کس طرح انکار کرے گا؟ اور اس حقیقت کا کس طرح انکار کیا جائے گا کہ مولانا آزاد نے بہت سے جوہرِ قابل یہاں بھیجے تاکہ تعلیم، صنعت

اور دُوسرے میدانوں میں مسلمانوں کا بھلا ہو سکے۔

سردار شوکت حیات اور میاں افتخار الدین مرحوم کے حوالے سے یہ بھی روایت ہے کہ لاہور اگر پاکستان کو ملا تو ابوالکلام کے صدقے ۔ جب کہ یہ تو مشہور و معروف بات ہے کہ ابوالکلام پورے پنجاب کے لئے لیگی قیادت کو کہتے رہے تاکہ کشمیر اور نہری پانی کا مسئلہ پیدا ہو نہ ہی تبادلہ آبادی وغیرہ کے مسائل پیدا ہوں۔ انہوں نے داؤد گروپ کے سیٹھ احمد داؤد سے کہا تھا کہ :

"مسلمانوں کی اجتماعی قیادت جو کر رہی ہے اس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں ایک ختم ہونے والی بربادی کی شکل میں سامنے آئے گا ۔ اور یہ کہ پاکستان کے دونوں خطے ۲۴ برس اکھٹے نہ رہ سکیں گے رہ گئے تو ان کا چیلنج تھا کہ زندہ ہونے کی شکل میں انکی داڑھی مونڈ دی جائے ، مر جانے کی شکل میں ان کی قبر پر جُوتے مارے جائیں مسلمانوں کی بہتری کے احساس کے پیشِ نظر ہی وہ وہاں بیٹھ کر مناسب مشورے دیتے رہے ۔ محمد علی بوگرہ کو اور مرحوم فضل الہٰی چوہدری کو جو انہوں نے کہا وہ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے ۔ وہ فرماتے کہ :

" پاکستان ایک تجربہ ہے اس کی کامیابی و ناکامی کا انحصار پاکستانی قیادت پر ہے ۔"

افسوس کہ یہاں دستور کا مسئلہ حل ہوا نہ بنیادی حقوق کا ، بلکہ دستور کے لئے روز تجربے ہوتے رہے تو بنیادی حقوق کی جس طرح مٹی پلید ہوئی اس کا اندازہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے حوالے سے پاکستانی قیادت کے وحشت و بربریت کے رویہ سے ہوتا ہے ، خیر ان باتوں کا ماتم کب تک ---؟ ابوالکلام نے مشرقی حصے کے ضمن میں جو کہا سو کہا انہوں نے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو جو کہا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے اور وہ یہ کہ :

" میرے بھائی ، جب پاکستان کے مختلف خطوں کے حوالے سے لوگ اپنی شناخت کرائیں گے تو آپ کی شناخت کیا ہوگی ؟"

جناب الطاف حسین کی ایم کیو ایم آجکل اسی مسئلہ سے دوچار ہے ، سندھی بننے کو وہ طیار نہیں اور ان کے وجود کو سندھ میں خطرات لاحق ہیں ، جبکہ سندھ اور بلوچستان کی سرزمین میں زیرِ زمین پروان چڑھنے والے طوفانوں کا بھی ابوالکلام کی تحریرات میں ذکر ہے ۔

لیکن ہمیں اس وقت ابوالکلام کے سیاسی فلسفہ کا ذکر نہیں کرنا بلکہ ان کی اعتقادی جدوجہد کے ایک نازک

ذکر کرنا ہے جو شاید بہت سے لوگوں کے لئے حیران کن ہو۔

ان کا نامکمل شاہکار "ترجمان القرآن" ہے جس کی پہلی جلد کی اشاعت پر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تبریک مبارک دی تو ساتھ ہی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خضر کی عمر عطا فرمائے۔ اس پر مولانا نے کہا

"میرے بھائی! ایسی دعا نہ کریں، تھوڑی ہو مگر قرآن کی ہو۔"

اور اس پر امیر شریعت جیسے خطیب اعظم نے جالندھر میں گھنٹوں تقریر کر دی۔

یہ شاہکار نامکمل رہ گیا۔ سبب حکومتی دار و گیر ہے اور بھی اسباب ہیں۔ پھر بھی وہ آیات جن میں اعتقادات کی بحث ہے، اُن پر مولانا کے قلم کی روانی دیدنی ہے نہ کہ شنیدنی۔ اعتقادات کی عمارت ہی تو ایسی عمارت ہے جس کے بغیر نہ دنیا کا اعتبار، نہ آخرت کی فلاح۔ اور پھر جو شخص خاندانی روایات کا باغی ہو تو وہ اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ کے قدم بقدم کیسے نہ ہوگا۔؟

لیکن اس نامکمل شاہکار سے ہٹ کر ایک اہم خط پیشِ خدمت ہے جو حال ہی میں سامنے آیا۔ اس خط کا تعلق شیعہ حضرات سے ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اس گمراہ کن اسکول کے معاملہ میں کتنے حساس تھے۔

اس حوالہ سے مولانا کے بہت سے نیازمند بھی پریشان پریشان سے رہتے ہیں خاص طور پر بعض مضامین کے حوالہ سے، جو خواہی نخواہی مولانا کے ذمہ مڑھ دیئے گئے۔

"شہادت حسینؓ" اور "انسانیت موت کے دروازہ پر" کے مجموعے جناب عبدالرزاق ملیح آبادی کے قلم سے ہیں جس کی اب وضاحت بھی ہو چکی اور تفصیلات بھی سامنے آ چکی ہیں لیکن کاروباری عناصر باز نہیں آتے اور برابر انہیں مولانا کے حوالہ سے چھاپ دیتے ہیں ایسا ہی جیسا کہ سید سلیمان ندوی مرحوم کے بعض مضامین مولانا کے ذمہ مڑھ دیئے گئے۔

معاملہ محض اتنا تھا کہ یہ چیزیں الہلال، البلاغ میں شائع ہوئیں، اُس دور میں مضمون نگاروں کو اپنے نام کا شوق نہ تھا اس لئے نام کا لاحقہ ساتھ نہ ہوتا، اس لئے ہر چیز مولانا کے کھاتہ میں ڈال دی گئی لیکن اب تو ملیح آبادی کی اپنی تصریحات سامنے آ چکی ہیں، بہر حال ایسے ہی اسباب تھے جن کی وجہ سے مولانا کے نیازمندوں کو پریشانی رہتی۔

لیکن اب دہلی سے تازہ کتاب آئی۔ "خطوط ابوالکلام" "ساہتیہ اکادمی" دہلی کی شائع شدہ یہ

اکادمی جو مولانا کی کتابوں کو از سرِ نو خوبصورت انداز سے شائع کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اب تک اس اکادمی سے مولانا کی تفسیر ۴ جلدوں میں سامنے آ چکی ہے جبکہ تذکرہ، غبارِ خاطر اور خطبات بھی۔ ان میں سے ہر کتاب پر معروف دانشور، ہفت زبانوں کے ماہر جناب مالک رام نے ایسے حواشی لکھے کہ ہر کتاب کا نسخہ دو آتشہ ہو گیا۔ یہ سب کتابیں "اسلامی مملکتِ پاکستان" کے "دیندار ناشر" بغیر کسی اجازت کے چھاپ چکے ہیں لیکن افسوس کہ وہ اس اچھے معیار کو بھی قائم نہ رکھ سکے۔

اس اکادمی سے اب یہ پانچویں کتاب سامنے آئی، جو خطوط کی پہلی جلد ہے یہ حال ہی میں ۱۹۹۱ء میں پہلی مرتبہ شائع ہونے والا مجموعہ ہے، اس میں "مولانا غلام رسول مہر" کے نام کے خطوط مطبوعہ ہیں جنہیں منتظم اکادمی نے باقاعدہ اجازت سے شائع کیا ہے لیکن اس طرح کہ حواشی نے ان خطوط کی بھی قدر و قیمت بڑھا دی ہے۔ باقی خطوط جن حضرات کے نام ہیں ان میں مولانا محمد یوسف جعفری رنجور کے نام ۴۷ خط ہیں جعفری صاحب اور ان کے نام جو خط ہیں ان کا تعارف اس کتاب کے محشی جناب "مالک رام" کے قلم سے پیشِ خدمت ہے جو ص ۲۹۴ تا ۲۹۶ سے ماخوذ ہے۔

مالک رام صاحب کا مولانا سے بہت تعلق رہا تھا یہ ضلع گجرات کے باسی مالک رام ہفت زبان اور بہت ہی صاحبِ علم ہیں غالب اور ابوالکلام ان کی محبوب شخصیات ہیں۔ انہی کے حوالے سے ان کا بہت کام ہے وہ جو لکھتے ہیں سند ہوتا ہے اس لئے رنجور مرحوم کا تعارف انہی کے قلم سے پیشِ خدمت ہے

ان کے والد مولانا یحییٰ علی (ف ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۸ء) مشہور مقدمۂ وہابیانِ صادق پور (بہار) میں ماخوذ ہو کر مستوجبِ سزا ٹھہرے تھے۔ انہیں اولاً پھانسی کی سزا ہوئی تھی لیکن بعد کو اسے حبسِ دوام بعبور دریائے شور میں تبدیل کر دیا گیا۔ وہ کالے پانی یعنی جزیرۂ انڈیمان جنوری ۱۸۶۶ء میں پہنچے اور دو سال بعد وہیں ۲۰ جنوری ۱۸۶۸ء کو لعارضہ بخار و درد و ورم کبتین چودہ دن بیمار رہ کر واصل بحق ہوئے۔

مولانا محمد یوسف جعفری ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۷۹ھ (۵ مئی ۱۸۶۳ء) کو پیدا ہوئے والد کی جبری غیر حاضری میں اُن کی تعلیم و تربیت سراسر اپنے چھوٹے خالو شمس العلماء محمد حسن کی نگرانی میں ہوئی۔ عربی اور فارسی کی تعلیم ان کے انتظام میں پوری کی۔ اس کے بعد پہلے پٹنہ کالج میں اور بعد کو علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد ملازمت کا زمانہ آیا تو سب سے پہلے محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ میں عربی کے مدرسِ اول مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ادارت کا کام بھی ان کے سپرد رہا۔ یہاں چھے سات

برس کام کرنے کے بعد ۱۸۹۰ء میں بورڈ آف ایگزامینرس، کلکتہ میں ہیڈ مولوی کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ جب اس عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ تو حکومت نے دوسرے خطاب شمس العلماء اور خان بہادر سے ان کی زندگی بھر کی خدمات کا اعتراف کیا۔

اردو اور فارسی نظم و نثر دونوں سے یکساں شغف تھا۔ رنجور تخلص کرتے تھے۔ انگریزی بھی خوب جانتے تھے بلکہ اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے استاد بھی تھے۔

انہوں نے طلبہ کے لئے متعدد نصابی کتب مرتب کی تھیں جو زیادہ تر ولایت سے آئے انگریزوں کو کام کی تھیں۔ ... ان کی مرتبہ و مطبوعہ کتابیں (کلام اردو، نظم اردو، منتخب ...) پیرس، فرانس کے ایک کتاب خانے میں دیکھی تھیں۔

دیوان شائع نہیں ہوا بلکہ ... ایام میں شعر گوئی سے اس حد تک بیزار ہوگئے تھے کہ ضخیم دیوان نذرِ آتش کر دیا۔ جن بیاضوں میں رباعیات اور قطعات تاریخ تھے وہ محفوظ رہ گئیں اور اب قلمی حالت میں ان کے ورثاء کے پاس کراچی میں موجود ہیں۔

ان کی شادی عظیم النسا بنت حکیم ظہور الحسن سے ہوئی، جن کے بطن سے سات اولادیں۔ تین بیٹے (اشرف الدین، محمد یامین، محمد حسان) اور چار بیٹیاں (انجم النسا، زاہدہ، حسنیٰ، بتول) ہوئیں۔ سب سے بڑا لڑکا اشرف الدین ۱۴ برس کی عمر میں خدا کو پیارا ہوگیا۔ منجھلے بیٹے محمد یامین نے بھی عین عالم شباب میں وفات پائی۔ ان دنوں رنجور کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا اور کالا موتیا بڑھ رہا تھا۔ جس سے بینائی بہت کم ہوگئی تھی اس حالت میں دن رات کی گریہ وزاری سے جو تھوڑی بہت روشنی رہ گئی تھی، وہ بھی زائل ہوگئی اب وہ آنکھوں سے بالکل معذور ہوگئے۔ اسی حالت میں ۷ جون ۱۹۲۳ء کو راہی ملکِ عدم ہوگئے۔

{ تذکرۂ صادق: ۶۱، ۵-۷، ۸۷-۸۸، خدا بخش لائبریری
جرنل ۴۳ ۱۹۰۳ (مقدمہ) کشکول (قلمی): ۲ ... }

مولانا کے اُن کے نام یہ خطوط ان کے نواسے پروفیسر سید قدرت اللہ فاطمی مقیم کراچی پاکستان کے پاس محفوظ تھے، جو انہوں نے ہندوستان کی معروف خدا بخش لائبریری (پٹنہ) کے جرنل ۴۷ میں شائع کرا دیئے۔ لائبریری اور فاطمی صاحب کی اجازت سے اس مجموعہ میں یہ خطوط شامل کئے گئے

(ص ۲۹۴ تا ۲۹۶)

مولانا کا جو خط اس وقت پیشِ خدمت ہے وہ ۷۵ خطوط میں سے ۴۰ ویں نمبر پر ہے اور اصل کتاب کے صفحات ۶۵، ۶۶، ۶۷ پر مندرج ہے۔ پہلے اس خط کا متن ملاحظہ فرمالیں۔

"بھائی رنجور! میں مغرب کے بعد بھی نہیں آیا، تم نے بہت انتظار کیا ہوگا، مگر کیوں نہیں آیا؟ اس کی وجہ بھی سن لو!

"اسلام اور محرّم" نے شیعوں میں ایک سخت جوش پیدا کر دیا ہے۔ الحق مُرٌّ ضروری امر ہے اور اسی کا یہ سب نتیجہ ہے۔ اگرچہ سارے مضمون میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے، جس میں شخصیت یا ذاتیت کا مضمون ہو، لیکن صاف صاف اور سچے لفظوں نے ایک جاہلانہ جوش پیدا کر دیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فوجداری ہتکِ مذہب کی کریں گے۔ کوئی کہتا ہے کہ معتمد السلطان کے ذریعہ سے کوشش کریں گے مگر یہ ایران نہیں ہے، بلکہ انڈیا ہے جس پر برٹش پھریرا اڑ رہا ہے۔ جب تک قانونی گرفت نہ ہو، کچھ نہیں ہو سکتا۔ سلف کی کتابیں اس سے سخت لفظوں سے بھری پڑی ہیں مگر ان پر کوئی اعتراض اس لئے نہیں کرتا کہ مذہبی پیرایہ میں ہے۔ اور اس لئے قابلِ تردید ہے نہ کہ قابلِ غضب وغصہ۔ بعض حضرات اس امر پر تلے ہیں کہ ذاتیات سے پیش (؟) آئیں۔ مجھے اس امر کا یقین ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے، حق کہا ہے اور صرف مذہبِ اسلام کی تائید اور بالخصوص مخالفین اسلام کے اعتراض کے دفعیہ کے لئے۔ اور جب مجھے میرا کانشنس کہہ رہا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے، محض احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لئے، تو مجھے کچھ ڈر نہ ہونا چاہیئے، گو کچھ بھی کیوں نہ ہو، مجھے دنیا کے تہور، ایفار، ان کی لائف پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

مگر افسوس ہے اور سخت افسوس ہے، اور بڑا افسوس ہے کہ میں اسے ضبط نہیں کر سکتا کہ میں اپنے ساتھ ایک خاندان بھی لئے ہوئے ہوں جو اس قسم کی اصلاح کو غیر ضروری، بلکہ ناجائز مصلحت اور تقیہ کو حق سمجھتے ہیں۔

اس لئے آج شام سے جب کہ چند جاہل عورتوں نے کچھ کہا ہے، گھر میں ایک عجیب جوش پیدا کیا کر دیا اور ملامت کی بوچھاڑ، خودکشی کی سی حالت اور تکلیف دہ چیز کا لطف پیدا کر دیا ہے اگر میں ان سے کہوں کہ بس بات تو میرا کانشنس اور ساتھ ہی مذہب اسلام ناجائز کہتا ہے اسے زبان سے کہنے میں نہیں رہ سکتا، اے میرے [illegible] کرتے ہیں [illegible] کرتا ہے تو وہ ملامت،

مصلحت کی آواز لگاتے ہیں۔

میرے دلسوز بھائی! میں مصلحت کو تقیّہ سمجھتا ہوں اور اس لئے میں کہہ نہیں سکتا۔ میں اپنے خاندان سے مخالفت کرنے پر، باوجود بہت ضبط کے اپنے کانشنس کے ہاتھوں مجبور ہوں، تو اوروں کے آگے کیوں نہ کہوں! بھائی، ایسی مصلحت مجھ سے قیامت تک نہ ہو گی، گو دار و رسن کا ہی مضمون کیوں نہ ہو۔ تمہارے خاندان کی حالت میرے پیشِ نظر ہے اور ثابت قدمی کی بہت سی مثالیں اور حق گوئی کی بہت سی نظیریں دماغ میں موجود ہیں، اور اس لئے کبھی مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ بھائی ان لفظوں کو میری باتیں ہی باتیں نہیں سمجھئے گا۔ واللہ یہ میں نہیں کہتا، بلکہ مرا دہ سچا کانشنس کہہ رہا ہے، جو مذہبِ اسلام اور توحید کی سچی محبت سے پیدا ہو گیا ہے۔ میں تم سے نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میری کیا حالت ہے! طبیعت اُمڈی آتی ہے اور بے اختیار رو رہا ہوں۔ بار بار افسوس آتا ہے کہ اگر آج میں آزاد ہوتا، اور میری حالتوں (یعنی مالی حالت) اور عقائد کا کوئی پوچھنے والا یا کوئی روک نہ ہوتا (یا ہوتی) میری مصیبت پر کوئی غم کرنے والا نہ ہوتا، تو مجھے کچھ افسوس نہ ہوتا، اور میں اپنے عقائد کو صاف طور سے للکار کر کہہ سکتا۔ اگر مجھ پر مصیبت آتی، اسلام کی حمایت کی بدولت، تو میں اُسے بخوشی قبول کرتا اور ذرہ بھر اس میں بے عزتی نہیں سمجھتا۔ مگر اب تو میرے افعال کا سلسلہ اوروں تک پہنچ گیا، اور وہ انہیں باعثِ ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ سلف کے کارنامے بھول گئے ہیں اور اس سے مجھ پر جانکنی کی حالت طاری ہو رہی ہے۔ میری وجہ سے ان کی ان کے خیال کے موافق، بے عزتی ہو گی۔ حالانکہ میں تو اسے باعثِ فخر سمجھتا ہوں۔ اور قسم خدا کی اسے کبھی باعثِ عار نہیں سمجھتا۔ ہاں اگر کچھ کہتا ہوں تو اس اسلام اور اس خیالِ توحید کو جس کی محبت میں یہاں تک دیوانہ ہو گیا ہوں ؎

بجرمِ عشقِ تو ام می کشند غوغائیست | تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

کیا غضب کی بات ہے کہ اس قسم کی ہزاروں کتابیں لکھی جائیں، شیعہ مصحفِ عثمانی کو کہیں کہ اس قرآن کو جلا دو، اور ہمارے آبا و اجداد پر تبرا بھیجیں، مگر ہم اگر کہیں کہ اس تماثیل پرستی کو ترک کر دو تو ہم سے لڑنے اور فوجداری کے لئے آمادہ ہو جائیں! فوجداری وغیرہ تو غالباً نہ ہو گی، اب رہا ان کے ذاتیات کے حملے! تو میں ہرگز ہراساں نہیں ہوں۔ اس خدا پر بھروسہ

ہے جس کی توحید کے لئے میں نے لوگوں کی ملامت کا خیال نہیں کیا۔" الخ

مولانا نے جس مضمون کا حوالہ دیا افسوس کہ وہ دستیاب نہیں تاہم مالک رام صاحب کے بقول وہ "احسن الاخبار" نامی ہفت روزہ میں چھپا (ص ۳۹۹) جس کے شریک مالک اور ایڈیٹر مولوی احمد حسن" مولانا آزاد کے بقول "عربی کے اچھے مولوی اور انگریزی انٹرنس تک پڑھے ہوئے بہت روشن خیال" تھے (ص ۳۹۶) مالک رام صاحب کے بقول :

"مضمون میں محرم کے دنوں میں عَلَم وغیرہ کے جلوس پر کسی قدر سخت لفظوں میں تنقید کی گئی تھی اور ان تمام رسوم کو خلاف اسلام اور "رومن کیتھولک عیسائیوں اور بت پرست قوموں کی تقلید کہا گیا تھا۔" ــــ اس پر شیعی حضرات میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور بڑی مشکل سے یہ ہنگامہ فرو ہوا۔

(ص ۴۰۱)

مالک رام صاحب نے لکھا ہے کہ اس ضمن میں "آزاد کی کہانی" از ملیح آبادی میں بھی تفصیل موجود ہے تفصیل سے قطع نظر اصل سوال اس مضمون کا ہے۔ افسوس وہ دستیاب نہیں۔ البتہ مولانا کے اس خط ۴۰ جس کا متن اوپر نقل ہوا۔ نہ صرف اس مضمون کا ذکر ہے بلکہ اپنے خیالات پر اصرار بھی ہے اور اس لئے کہ یہ دین وایمان کا مسئلہ ہے رنجور کے نام مولانا کے خط ۴۱ ، ۴۲ میں بھی اس مضمون کے حوالہ سے بعض اشارات ہیں لیکن ان کا تعلق اس ہنگامہ سے ہے جو اس مضمون پر سامنے آیا، اس لئے ان کے چنداں ضرورت نہیں البتہ خط ۴۳ کا وہ حصہ قابلِ غور ہے جس سے "مولوی عبدالباری صاحب" کے مضمون سننے اور اپنی رائے کا ذکر ہے۔ خیال یہ ہے کہ اس سے مراد مولانا عبدالباری فرنگی محلی ہیں یا پھر اسی عظیم خاندان کے کوئی صاحبِ علم مولانا عبدالباری۔ جو بھی ہو اپنے وقت کا کوئی بڑا آدمی ہے۔ بقول مولانا آزاد انہوں نے مضمون کا ذکر چھیڑ کر اور سن کر "نہایت عمدہ ہمدردی ظاہر کی"۔ (ص ۷۰)

جس کا معنی یہ ہے کہ ہر دور کے محقق علماء کی طرح مولانا عبدالباری بھی شیعہ کے متعلق واضح اور صاف ذہن رکھتے۔ مولانا آزاد نے اپنے مضمون کے ضمن میں جس پامردی، جرأت اور استقامت کا مظاہرہ کیا وہ انہی کا حصہ ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ ،

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مولانا جیسے انسان جو اپنے گھر کی توہم پرست اور بر خود غلط پیری مریدی کے چکر سے آزاد ہو کر

ٹھوس اور سیدھی راہ اپنا چکے تھے ان سے شیعہ کے متعلق ایسے ہی جذبات کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ شیعہ اسکول ایک ایسا اسکول ہے جس نے ملّت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ہمیشہ کوشش کی دینی اعتقادات کو مسخ کیا، جذبۂ عمل کو فنا کیا، دینی اخلاق و روایات کی بربادی کا سامان کیا اور یہودی ذوق و مسلک کا وارث بن کر ملّت کی اجتماعیت کو تباہ کرنے میں ساری عمر کھپا دی۔

مولانا آزاد جیسے مردِ مومن اور تاریخی شعور سے بہرہ ور انسان سے ایسی ہی توقع تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ان کی رُوح پر بے پناہ اَن گنت رحمتیں نازل کرے۔ مرحوم کے ذوقِ ایمانی کے متعلق شکوک پیدا کرنے والے بدخواہوں کے لئے اس خط میں عبرت کا بڑا سامان ہے۔

اھلِ سنت کا روپ دھار کر رافضیت و سبائیت پھیلانے والے مذہبی بہروپیوں کا مکمل پوسٹ مارٹم،

معرکۂ حق و باطل میں ایک حق پرست عالم دین کی صدائے رستاخیز

فتنۂ سبائیت کے تابوت میں پہلا کیل   باطل کے ایوانوں میں رعد کی گونج

سبائی فتنہ (جلد اوّل)

مصنّف :- حضرت مولانا ابو ریحان سیالکوٹی

ایک علمی محاسبہ   ایک تہلکہ خیز کتاب   جس میں ....!

اسلام کے خلاف یہودیوں، سبائیوں اور رافضیوں کی گھناؤنی سازشوں کو طشت ازبام کیا گیا ہے۔ مقام و منصب صحابہ کرامؓ کو مجروح کرنے والے سبائی ایجنٹوں اور رافضی گماشتوں کے مکروہ چہروں کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں دو ذہنی پیدا کرنے والے نام نہاد تقدس مابوں اور نسبتوں کے پجاریوں کے فکری مغالطوں اور علمی بے مائیگی کا بھرم کھول کر رکھ دیا ہے۔ علم کے نام پر جہالت اور حق کے نام پر باطل افکار پھیلانے والوں کی فتنہ ساما نیوں کو تار تار کر دیا گیا ہے۔ خلافت راشدہ اور خطاء اجتہادی جیسے اہم موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

صفحات: 576، خوبصورت جلد، کمپیوٹر کتابت، اعلیٰ طباعت، قیمت =/125 روپے، خصوصی رعایت =/90 روپے پیشگی منی آرڈر بھیجنے والوں کو رجسٹرڈ ڈاک سے کتاب ارسال کی جائے گی۔ اپنا آرڈر جلد ارسال کریں۔

ملنے کے پتے :- بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

شیخ فہیم اصغر فہیم چپل سٹور، قاضی مارکیٹ، تلہ گنگ